طبقۂ مترفین اور اسلام کا نظامِ عدل

مولانا گوہر رحمن

(۴)

(۶) حجر علی السّفیہ (نادان کو مالی تصرفات سے روکنا)

مترفین یعنی نفس پرست سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی اصلاح کا ایک طریقہ **حجر علی السّفیہ** بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کم عقل ' بے وقوف اور نادان ہوں اور اپنی جائز املاک میں بھی صحیح اور مفید تصرّف نہ کر سکتے ہوں ' یا اپنی املاک کو فضول خرچیوں اور معاشرتی جرائم میں اڑاتے ہوں ' اپنا مال بھی برباد کرتے ہوں ' اور معاشرے میں بد اعمالیاں اور بد اخلاقیاں بھی پھیلاتے ہوں ' اور اپنی آخرت بھی خراب کرتے ہوں ' تو ان کا اپنی املاک پر حقِ ملکیت اور حقِ انتفاع تو بحال رہے گا ' اس لیے کہ املاک حلال ہیں ' مگر انھیں حقِ تصرّف سے روک دیا جائے گا ' اور ان کی املاک ان کے سرپرستوں یا حکومت کے انتظام میں دے دی جائیں گی ایسے لوگوں کو مُبذّرین کہا جاتا ہے۔ یہ جمہور مفسرین کے نزدیک ان **سُفَھَا** میں شامل ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ:

> اور نہ دو نادانوں کو اپنے وہ مال جن کو اللہ نے تمہارے لیے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے ' اور اس مال میں سے انھیں کھلاتے اور پہناتے رہو ' اور ان سے بھلائی کی بات کرتے رہو ' اور آزماتے رہو یتیموں کو ' یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ جائیں (بلوغ کے بعد) اگر تم دیکھ لو ان میں ہوشمندی ' تو پھر ان کے مال ان کے سپرد کر دو ــ (النساء : ۵ - ۶)

سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸۲ میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص سفیہ یعنی نادان ہو تو لین دین میں اس کی جانب سے اس کا ولی یعنی مختار یا سرپرست دستاویز لکھوائے گا۔ سیاقِ کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات یتیموں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن جب ان یتیموں کا ذکر **سُفَھَاء** کے لفظ میں کیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علّت یتیم ہونا نہیں ہے بلکہ سَفِیہ ہونا ہے '

اور مال حوالے کرنے کی حد بلوغ نہیں ہے بلکہ رشد یعنی ہوشمندی ہے۔

علامہ کاشانی حنفی (م ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام ابو یوسف ؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ اور عام اہلِ علم نے کہا ہے کہ نادانی اور تبذیر بھی حجر یعنی تصرفات سے روکنے کے اسباب ہیں۔ ان کے نزدیک وہ بے وقوف شخص جو اپنا مال باطل طریقوں پر (غیر شرعی) خرچ کر کے برباد کر رہا ہو، اور وہ شخص جو کاروبار میں دھوکہ کھا جاتا ہو، تو ان سب کو اپنی املاک پر قبضہ رکھنے اور تصرّف کرنے سے روک دیا جائے گا (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۶۹)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنے مال اور اپنے دین دونوں کو برباد کرتا ہو، یا صرف مال کو برباد کرتا ہو، تو اس کا مال اس کے قبضے میں نہیں دیا جائے گا، اور تصرّفات سے بھی روک دیا جائے گا (حجر علیہ) صحابہ میں سے عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ، ابن عباسؓ، اور عبد اللہ بن جعفرؓ اور تابعین میں سے قاضی شریحؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ فقہاءِ اسلام میں سے امام مالکؒ اور اہلِ مدینہ، امام اوزاعیؒ اور اہلِ شام، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام احمدؒ، اسحٰق بن راھویہ (بخاری کے استاد) اور ابو ثور کی رائے بھی یہی ہے" (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۷ - ۳۸)

مُبذّر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶ - ۲۷)

عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ اور قتادہؒ نے فرمایا ہے کہ: **التبذیر انفاق المال فی غیر حقہ** "مال اس جگہ خرچ کرنا جہاں خرچ کرنا جائز نہ ہو" (احکام القرآن للجصاص) جب مُبذّر شیطان کا بھائی ہے، تو اگر اس کا مال اس کے قبضے اور تصرّف میں ہو گا، وہ اسے شیطانی کاموں پر خرچ کرے گا، اور معاشرے میں شیطانی جرائم کی ترویج کا ذریعہ بنے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ بلوغ کے بعد اگر ہوش مندی نہ آئی ہو، تو زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال تک اسے تصرّف سے روکا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کا مال لازماً اس کے حوالے کرنا ہو گا، اِلّا یہ کہ وہ بالکل پاگل یا نیم پاگل ہو۔ مگر جمہور کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص شراب نوشی، جوا بازی، بدکاری، اشاعتِ فواحش، گانے بجانے، قحبہ خانوں اور دوسری عیاشیوں اور

فضول خرچیوں میں اپنی املاک برباد کر رہا ہو تو اس کی جائیداد سرکاری انتظام میں لی جا سکتی ہے مگر اس کا فیصلہ عدالت کرے گی کہ اس حجر کا مستحق کون ہے اور کون نہیں ہے۔

(۷) خاندانی تکافل (نَفَقَۃُ الاقارب)

اسلامی نظامِ معیشت کا ایک اصول یہ ہے کہ ایک خاندان کے لوگ ایک دوسرے کی مالی کفالت کے ذمہ دار قرار دیے گئے ہیں۔ اگر اس اصول پر عمل کیا جائے تو کم ہی ایسے خاندان باقی رہ جائیں گے جو بیرونی امداد کے محتاج ہوں ۔ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے عاقلہ ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی جانب سے دیت بھی ادا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں' اور دوسری مالی ضروریات پوری کرنے کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسلام' خاندانی نظام کو بڑی اہمیت دیتا ہے ۔ قرآن کریم نے رشتہ داروں کی مالی کفالت کو ان کا حق قرار دیا ہے ' اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ "اور رشتہ داروں کا حق ادا کرو" (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۶)

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی "اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو" (النساء ۴: ۳۶)

ان دو آیتوں کے علاوہ قرآنِ کریم میں آٹھ آیتیں اور بھی ہیں جن میں اقارب کا حق ادا کرنے اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے — عام حالات میں تو رشتہ داروں کے ساتھ مالی تعاون کرنا ایک استحبابی حکم ہے' لیکن اگر وہ محتاج ہوں ' معذور ہوں یا اپنی بنیادی ضروریات بھی اپنے وسائل سے پوری نہ کر سکتے ہوں ' تو ایسی صورت میں جس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال موجود ہو اس پر اپنے اقرباء کی کفالت فرض ہو جاتی ہے' جسے حکومت کے ذریعے جبراً بھی وصول کیا جا سکتا۔ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳۳ میں آیا ہے کہ یتیم بچے کو دودھ پلانے والی اور دیکھ بھال کرنے والی عورت کی اجرت اس بچے کے وارث کے ذمے ہے۔ اس آیت پر استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ

> حنفیہ اور حنابلہ نے اس آیت پر استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کا خرچہ ایک دوسرے پر واجب ہے۔ یہی بات حضرت عمرؓ اور جمہور سلف سے مروی ہے۔

امام جصاصؒ نے بھی لکھا ہے کہ "والدین اور ذی رحم محرم رشتہ داروں کا خرچہ واجب ہے (احکام القرآن)

یہاں "نَفَقَةُ الْاَقَارِبْ" کی تمام جزئیات اور تفصیلی احکام بیان کرنا پیش نظر نہیں ہے۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں یہ سارے مباحث موجود ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس سلسلے میں قانون کا ایک مسودہ بھی تیار کر کے حکومت کو دے دیا ہے جسے بطور قانون ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے۔ اردن اور بعض دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس نوع کا قانون نافذ ہے' اس سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۸ اجتماعی تکافل

خاندانی تکافل کے بعد اسلامی معیشت کا اہم ترین اصول اجتماعی تکافل ہے یعنی پورا معاشرہ اور امتِ مسلمہ مجموعی طور پر نادار اور محروم الوسائل لوگوں کی مالی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ حکومت چونکہ معاشرے کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے ایسے اقدامات کرنا اور ایسی تدابیر رو بعمل لانا اس کا فرضِ منصبی ہے جن کی بنا پر معاشرے کا کوئی فرد زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔ اسلامی معیشت میں معاشی ترقی کا مقصد اور اس ترقی کا محرک "تکاثر الاموال" یعنی مال و دولت جمع کرنے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ 'نہیں ہے۔' "تکثیر نفع" کا یہ خود غرضی پر مبنی جذبہ تو بالعموم ارتکازِ دولت اور معاشی عدم توازن کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اخلاقی و دینی تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔

اسلامی معیشت میں اصل جذبۂ محرکہ طلب رزق حلال اور باہمی تعاون و تکافل ہے۔ یہ بڑا پاکیزہ اور ہمدردانہ جذبہ ہے جس کے نتیجے میں اجتماعی تکافل پر مبنی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ قرآن و سنت میں کسبِ حلال کی ترغیب دی گئی ہے اور رزقِ حلال کی تلاش کو ایک قسم کی عبادت قرار دیا ہے' لیکن "جمع مال" اور "اکتنازِ مال" کو اللہ اور رسولؐ نے پسند نہیں کیا۔ بلکہ انفاق کا حکم دیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات میں متقین کی امتیازی صفات میں ایمان اور نماز کے بعد انفاق کا ذکر ہوا ہے۔ قرآن کریم میں لفظ انفاق کے ساتھ ۵۹ مقامات پر مال خرچ کرنے کا حکم' اور اس کی ضرورت و فضیلت بیان ہوئی ہے۔ زکوٰۃ' صدقہ' اطعام' ایثار' احسان' حق اور جہاد بالمال کے الفاظ میں خرچ کرنے کا ذکر جن مقامات پر ہوا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ انفاق کے مضمون کی یہ تکرار قرآنِ کریم میں اس لیے ہوئی ہے کہ باہمی تعاون و تکافل کا جذبہ صادقہ بیدار ہو جائے' اور معاشرے کے افراد ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہیں۔

الف۔ زکوٰۃ و عشر

اجتماعی تکافل کے لیے اسلام کے اقتصادی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اور کلیدی حیثیت حاصل

ہے۔ یہ اسلام کے ارکانِ خمسہ میں تیسرا رکن ہے۔ قرآن کریم میں زکوٰۃ کا ذکر ۳۰ مقامات پر ہوا ہے، جن میں سے ۲۸ مقامات پر اس کا ذکر نماز کے ساتھ ایک ہی آیت میں ہوا ہے۔ اس کے علاوہ لفظ صدقہ کے ساتھ اس مالی فریضے کا ذکر ۱۲ مقامات پر کیا گیا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں سے صرف صحیح بخاری میں زکوٰۃ و عشر اور صدقہ فطر کی فرضیت و فضیلت اور متعلقہ احکام سے متعلق ۱۱۱ احادیث آئی ہیں۔ احادیث کی دوسری کتابوں کی احادیث ان کے علاوہ ہیں۔ دور نبوت اور دورِ خلافت میں زکوٰۃ و عشر اور دوسرے واجبات کی تحصیل و تقسیم کا اجتماعی نظام قائم تھا۔ باقاعدہ عاملین مقرر تھے جو اغنیاء سے فقراء کا یہ حق وصول کر کے تقسیم کرتے تھے۔ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے اخروی عذاب کے بارے میں قرآن کی آیات اور نبیؐ کے ارشادات کا علم تو ایک عام مومن کو بھی حاصل ہے، لیکن اس کی دنیوی تعزیر اور سزا کے بارے میں یہ حدیث ملاحظہ کیجئے!

"بہز اپنے والد حکیم سے، اور وہ اس کے دادا معاویہ بن حَیدہ قشیریؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، جو شخص طلبِ اجر کے لیے زکوٰۃ دے دے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور جو شخص اپنی زکوٰۃ روک دے تو ہم اس سے زکوٰۃ بھی وصول کریں گے، اور اس کے مال کا آدھا حصہ بھی لے لیں گے (جس مال کی زکوٰۃ اس نے روکی تھی)۔ یہ اللہ کے حقوق میں سے ایک حق ہے جس میں سے محمدؐ کے خاندان کو کچھ نہیں ملے گا۔" (سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ، سنن نسائی کتاب الزکوٰۃ، مسند احمد الفتح الربانی ج ۸ ص ۲۱۷-۲۱۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۰۵، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۹۸)

اس حدیث کے متن میں شطر کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی جانب اور جہت بھی آتے ہیں اور کسی چیز کا کوئی ٹکڑا اور حصہ بھی آتے ہیں۔ مگر اس لفظ کے معروف معنی نصف کے ہیں، اور جمہور شارحینِ حدیث نے اس جگہ یہی معنی لیے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص سرکاری کارندوں سے اپنا مال چھپا لے، اور ان کو دھوکہ دے کر زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلو تہی کرے، تو جرمانے اور مالی تعزیر کے طور پر اس کے اس مال کا آدھا حصہ بھی لے لیا جائے گا اور اس مال کی زکوٰۃ بھی وصول کی جائے گی۔ مثلاً ۴۰ بکریوں کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اگر کسی نے ان چالیس بکریوں کی زکوٰۃ کارندوں کو دھوکہ دے کر روک لی تو اس سے ۲۱ بکریاں لی جائیں گی، ۲۰ بطور جرمانہ اور ایک بطور زکوٰۃ۔

یا مثلاً ۱۰۰ من گندم کا عشر ۱۰ من ہے۔ اگر کسی نے ۱۰۰ من گندم کا عشر روک لیا، تو اس سے ۶۰ من گندم لی جائے گی، ۵۰ من بطور جرمانہ اور ۱۰ من بطور عشر، اس حدیث کے ایک

راوی بھز بن حکیم کو بعض محدثین نے ثقہ کہا ہے اور بعض نے غیر ثقہ قرار دیا ہے (میزان الاعتدال للذہبی ج ۱ ص ۳۵۳ - ۳۵۴ ' ترجمہ نمبر ۱۳۲۲ ' تہذیب التھذیب لابن حجر ج ۱ ص ۴۹۸ - ۴۹۹ ' ترجمہ نمبر ۹۲۳) اسی اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ مگر امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کی سند پر جرح نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اسے بغیر کسی جرح کے نقل کیا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے ' اور ذہبیؒ نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ترمذیؒ نے اس حدیث کو نقل تو نہیں کیا مگر اس کے راوی بھز بن حکیم سے دوسری روایات نقل فرمائی ہیں' اور ان روایات کو حسن قرار دیا ہے ' قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ "امام احمدؒ اور امام اسحق بن راھویہ (بخاری کے شیخ) نے بھز بن حکیم کی روایات کو قابل استدلال کہا ہے۔ بخاری نے صحیح بخاری میں اس کی روایات تعلیقاً نقل کی ہیں اور صحیح بخاری کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں اس کی روایات سنداً بھی نقل کی ہیں اور ابو داؤد سے مروی ہے کہ یہ ان کے خیال میں قابلِ حجت راوی ہے۔" (نیل الاوطار طبع بیروت ۱۹۷۳ء ' ج ۴ ص ۱۷۹) بہر صورت بھز بن حکیم کی توثیق کرنے والوں کی تعداد بھی زیادہ ہے' اور ان میں اکابر ائمہ حدیث بھی شامل ہیں اس لیے اس کی یہ حدیث قابلِ استدلال ہے ' اور کم از کم "حدیثِ حَسَن" کا درجہ رکھتی ہے۔

ہمارے فقہا بالعموم تعزیر بالمال یعنی جرمانے کی سزا کو جائز نہیں سمجھتے ' اگرچہ بعض صورتوں میں بعض فقہا نے اس کی اجازت بھی دی ہے۔ مگر عمومی رجحان عدم جواز ہی کی طرف ہے۔ ان کے نزدیک مالی تعزیر رسولؐ اللہ کے زمانے میں دی جاتی تھی مگر اب منسوخ ہو گئی ہے۔ اگر اس زمانے میں مالی تعزیر کی اجازت دے دی جائے تو ظالم حکمران اس کو لوگوں کا مال ناحق چھیننے کا ذریعہ بنا لیں گے۔ لیکن منسوخ کے لیے ناسخ کا ہونا ضروری ہے جو موجود نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ بعض روایات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے کبھی مالی تعزیر دی ہے اور کبھی نہیں دی۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مالی تعزیر دینا واجب نہیں ہے بلکہ عدالت کی صوابدید ہے۔ امام شافعیؒ کا قولِ قدیم یہ تھا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے سے اس کا آدھا مال لے لیا جائے گا ' مگر بعد میں انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا اور اس حدیث کو ضعیف قرار دے دیا۔ مگر ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ نے بعض مخصوص مواقع پر جرمانے کی سزا کو جائز قرار دیا ہے ' اور اس کی متعدد مثالیں نقل فرمائی ہیں جن میں سے ایک مثال زکوٰۃ نہ دینے والے کے

نصف مال کی ضبطی بھی ہے۔ (الحسبتہ فی السلام از ابن تیمیہ" ص ۳۹ اور اس کے بعد' الطرق الحکمیہ از ابن قیم" ص ۳۲۶ اور اس کے بعد ' اعلام الموقعین از ابن قیم" ج ۲ ص ۹۸ ' اغاثۃ اللھفان از ابن قیم" ج ۱ ص ۳۸۹ طبع بیروت ۱۹۸۷ء)

یہ تعزیر تو اس شخص کے بارے میں آئی ہے جو جنگ کے لیے آمادہ نہ ہو بلکہ دھوکہ دہی کے ذریعے زکوٰۃ سے بچنا چاہتا ہو۔ جو لوگ جتھہ بنا کر حکومت کے مقابلے میں جنگ پر تیار ہو جائیں تو ان کے خلاف باقاعدہ جنگ کی جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کی تھی اور صحابہؓ نے ان کے فیصلے سے اتفاق کر لیا تھا۔ زکوٰۃ و عشر ایک مالی عبادت ہے' ٹیکس نہیں ہے۔ اس کا نصاب بھی متعین ہے' جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے مصارف بھی سورۃ التوبہ کی آیت ۶۰ میں متعین کر دیے گئے ہیں۔

ان آٹھ مصارف میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے' اور اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ عام رفاہی اور قومی ترقی کے کاموں پر زکوٰۃ صرف نہیں ہو سکتی۔ (دیکھیں ' میرا مضمون ترجمان القرآن جون ۱۹۸۳ء)

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور حکومت میں زکوٰۃ و عشر کا جو نظام نافذ ہوا ہے وہ پوری طرح نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکا۔ اس لیے کہ اس میں بہت سی خامیاں ہیں۔

پہلی بڑی خامی تو یہ ہے کہ سودی اکاؤنٹ سے زکوٰۃ تو کاٹی جاتی ہے' لیکن زکوٰۃ سے تین گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ سود کی رقم اسی اکاؤنٹ میں جمع ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دولت کی تقسیم کی بجائے مزید ارتکاز ہو جاتا ہے۔ شرعی طریقہ یہ ہے کہ سود کا معیشت سے مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ اور سود کی جو رقم لوگوں کے حسابات میں جمع ہو گئی ہے یا سود خوروں نے نکال لی ہے' پورا پورا حساب کر کے وہ سب ضبط کر لی جائے۔ اس لیے کہ ناجائز دولت جس شکل میں بھی ہو اس کا ضبط کرنا اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے' اور سود کی حرمت کا قانون اسی وقت سے مسلمانوں پر ساری دنیا میں نافذ ہو چکا ہے جس وقت یہ حکم نازل ہوا تھا کہ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا "چھوڑ دو جو بھی بقایا ہے تمہارا سود میں سے" البتہ اس حکم کے نزول سے قبل لوگوں نے سود کی جو رقم وصول کر لی تھی اس کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ فَلَهٗ مَا سَلَفَ۔ سودی رقم کی ضبطی کے بعد بنکوں کے ہر قسم کے اکاؤنٹس سے زکوٰۃ کاٹی جائے۔

(جاری ہے)